بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقوق نسواں کمیٹی کی رپورٹ

اہل علم اور مسلمانوں کے لئے عظیم لمحہ فکریہ

★

جنوری ۱۹۷۶ء میں وزیر اعظم پاکستان نے اٹارنی جنرل پاکستان جناب یحییٰ بختیار کی سرکردگی میں پاکستانی خواتین کے حقوق متعین اور مرتب کرنے کے لئے ۱۳ ارکان پر مشتمل ایک کمیشن قائم کیا، کمیٹی کے چیئرمین نے غالباً ۱۸ جولائی کو اپنی رپورٹ کا پہلا حصہ پریس کے حوالہ کیا جس کا کچھ خلاصہ ۱۹، ۲۰ جولائی کے اخبارات میں شائع ہوا، جس کا مقصد اس رپورٹ پر ملک کی رائے اور اہل علم کا ردعمل معلوم کرنا تھا، جناب چیئرمین صاحب نے اہل علم طبقہ سے اپیل کی کہ وہ اپنے مشوروں سے کمیٹی کو نوازیں اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت یا کمیٹی کسی ایسے قانون کی سفارش نہیں کرے گی۔ جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق نہ ہو۔

ان کا یہ اعلان ایک حد تک باعث اطمینان ہے کہ اگر ملک کے دینی و علمی حلقوں نے رپورٹ پر اپنا ردعمل ظاہر کیا تو کمیٹی اپنی رپورٹ پر نظر ثانی کرے گی۔ رپورٹ کے جتنے حصے اخبارات میں آئے اس سے بھی عام مسلمان اور اہل علم طبقہ یہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ کمیٹی کے ارکان جن میں کوئی ایک بھی عالم دین نہ تھا نہ کوئی ایسی شخصیت تھی جسے اسلام کے نظام عائلی اور فقہ و شریعت پر سرسری دسترس رکھنے والا سمجھا جائے، ان ارکان میں تین یا چار تو مرد ہیں باقی تمام وہ خواتین ہیں جو اپنے قول و عمل سے آزادئ نسواں کی علمبردار یا برسر اقتدار پارٹی میں کوئی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے کسی خاتون کو بھی اسلامی علوم اور اسلام کے فقہی و آئینی تفصیلات سے دور کا بھی واسطہ نہیں جن کی زندگی مغربی تمدن میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور جن کا سرمایہ ناز صرف مغربی تعلیم ہے۔ ان میں کچھ جانے پہچانے نام یہ ہیں: بیگم نسیم جہاں، بیگم سمیعہ عثمان، بیگم ریحانہ سرور، بیگم رشیدہ پٹیل، بیگم نسیمہ سلطان، بیگم زری سرفراز، مس فاضلہ علیانی مسز میر افلیس اور اسی طرح دیگر خواتین۔ ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ ہمیں ان خواتین اور کمیٹی کے دیگر ارکان کی ذاتی زندگی اور آراء و نظریات سے کوئی دلچسپی نہیں نہ ان

پر تنقید کرتے ہیں۔ مگر اب جب کہ ان کی سفارشات اسلام کے پورے عائلی، معاشرتی اور تمدنی نظام پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ تو ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ اسلام ہرگز بھی چند خواتین اور مغرب زدہ ارکان کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنی پوری علمی نا اہلیتوں کے باوجود منصب اجتہاد پر فائز ہو کر مسلم پرسنل لا کی ایسی تشریح یا اس میں کوئی ایسی ترمیم و تبدیل کی سعی کریں جسکی کتاب و سنت اور فقہ اسلامی نے اجازت نہ دی ہو۔ ہمارا ازدواجی اور عائلی زندگی کا نظام پورے اسلامی تہذیب و تمدن، تدبیر منزل تہذیب اخلاق اور سیاست مدنیہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور اسلام کسی بھی قوم، طبقہ، کمیشن، اسمبلی، افراد یا حکومت کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلام کے معاشرتی نظام کے متعین کردہ اساسی حدود اور دوائر میں کوئی تبدیلی کرے جو آگے چل کر پورے مسلم معاشرہ کے اخلاقی زوال اجتماعی انحلال اور معاشرتی انتشار کا باعث بن جائے۔ عائلی اور معاشرتی احکام کے لئے قرآن نے جو بھی ضابطے مقرر کئے انہیں اللہ کے قائم کردہ حدود سے تعبیر کیا گیا، اور ان حدود میں دست اندازی کرنے والوں کے لئے طرح طرح کی تنبیہہ اور تہدید سے کام لیا گیا۔ فرمایا: وتلك حدود الله ومن يتعدّ حدود الله فقد ظلم نفسه (الآیۃ)

ہم آج کی فرصت میں کمیٹی کی شائع کردہ رپورٹ حصہ اوّل کے کچھ اہم نکات اس امید سے علماء اور اہل علم کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول کی مسئولیت اس ملک میں محمدی اقدار اور اسلامی طرز معاشرت کی حفاظت کے فریضہ اور مسلمانوں کے اخلاقی تمدنی اور معاشرتی نظام کو تباہی و بربادی سے بچانے کی خاطر نہ صرف ان نکات پر غور کریں بلکہ تمام باہمی اختلافات سے بے نیاز ہو کر پوری رپورٹ اور اس کے محرکات، دواعی اور آنے والے خطرات پر یکجا ہو کر اور سر جوڑ کر غور کریں۔ اپنی رائے ظاہر کریں اور ملت کی سالمیت، اسلامی قدروں کے تحفظ اور پاکستان کے مسلم شہریوں (خواہ مرد ہوں یا عورت) کی خیر خواہی کے پیش نظر وہ تمام اقدامات کریں جن سے ہمارا اسلامی معاشرہ اور یہ ملک قوم عاد و ثمود کے انجام سے بچ سکے، اور ان حالات اور نتائج کا سامنا ہمیں نہ کرنا پڑ جائے جو مغربی تہذیب کے دلدادگان کے ہاتھوں مسلمان معاشرہ کو پیش آ سکتے ہیں۔ اور جس کی مثالیں یورپ اور مغربی تہذیب کی اباحیت زدہ تمدن، اخلاقی انارکی، اور معاشرتی تباہی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء اور عائلی کمیشن کی رپورٹ کے بعد یہ دوسری رپورٹ ہے جو اس امر کی واضح نشاندہی کر رہی ہے کہ مغرب کے عائلی اور معاشرتی تمدن سے مرعوب دلدادگان مغرب

کا نقطۂ نظر کیا ہے اور وہ یورپ کی تقلید میں اسلام کے عائلی اور ازدواجی نظام اور احکام و مسائل کے بارہ میں کسی حد تک آگے جا سکتے ہیں اور مرد و عورت کی مساوات، حقوق اور آزادی کے نام پر ان کا منتہائے مقصود اس ملک میں کس نوعیت کے معاشرہ کا قیام ہے، یہ رپورٹ ہمیں یہ دعوت فکر بھی دے رہی ہے کہ جس ملک کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا ہے، اور جہاں کا آئین ہر قسم کی قانون سازی کو کتاب و سنت کا پابند بنا رہا ہے، اور جس دستور کے رہنما اصولوں میں اسلامی طرز معاشرت اور اخلاقی قدروں کے تحفظ کے وعدے کئے گئے ہیں، اس دستور کے حاملین کی نظروں میں آخر کون سا اسلام اور کس نوعیت کا اسلامی طرز معاشرت ہے، عورت کے حقوق کے نام پر جو طوفان اٹھا ہے۔

علماء اور درد مند مسلمانوں کو اس نے نہایت آزمائش میں ڈال دیا ہے جو لوگ یہاں اعلاء اسلام اور نفاذ شریعت کے متمنی اور اس کے لئے کوشاں ہیں جو اسلام کے نظام عفت و عصمت کو قائم و دائم دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور جو معاشرہ میں اسلام کے نظام عدل و انصاف کو جاری ساری رکھنا چاہتے ہیں، انہیں سوچنا ہے کہ ایک ایسے پُرخطر دور میں جبکہ اسلام کے معاشرتی اور اخلاقی قدریں مٹ جانے کا اندیشہ ہو، یورپ کے مخلوط معاشرے کا عفریت منہ کھولے ہوئے آپ کے سارے نظام فقہ و شریعت کو ہڑپ کرنا چاہتا ہو، تہذیب و اخلاق سے عاری مغربی نظام معاشرت کی تلوار سروں پر لٹک رہی ہو ایسے حالات میں علماء اور درد مند مسلمانوں کا فریضہ کیا ہے اور کیا ایسے حالات میں اتنی اہم سفارشات اور حالات سے صرف نظر کر کے گروہی اور فروعی جھگڑوں اور باہمی جنگ و جدال سے ان کا دین محفوظ رہ سکتا ہے؟ دینی شعائر اور اقدار نافذ ہو سکتے ہیں، اور کیا وہ عند اللہ ان حالات سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

اس مختصر گذارش کے بعد ہم رپورٹ کی اہم دفعات کو پیش کرتے ہیں۔ آج کی فرصت میں ان دفعات پر تفصیلی تبصرہ مقصود نہیں۔ ہم اس سلسلہ میں مفصل گذارشات انشاء اللہ اگلی فرصت میں پیش کریں گے۔

۱۔ پیش نظر رپورٹ کی دفعہ ۳۱ تک عمومی سفارشات کے علاوہ ایسی تجاویز اور اقدامات کا ذکر ہے جو صدر ایوب کے رسوائے زمانہ عائلی قوانین آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کے لئے مزید مؤثر، مفید اور معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ان کا تمام صوبوں میں یکساں نافذ ہونا کونسلوں سے متعلقہ کام فیملی کورٹ کے سپرد کر دینا اور انہیں ایسے اقدامات کو بلا تاخیر طے کرنے کا پابند بنا دینا، یہ وہی قوانین ہیں جن کے شائع ہوتے ہی پورے ملک میں احتجاج کا ایک طوفان اٹھا تھا۔ علماء کے تمام مکاتب فکر نے انہیں قرآن و سنت میں صریح مداخلت قرار دیا تھا ایجی ٹیشن کا سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا اور

ارباب علم وتحقیق نے اس عائلی کمیشن کی رپورٹ کی ایک ایک شق کا مدلل جواب دیکر اسکی اکثر دفعات کو مسلمانوں کے پرسنل لا میں صریح دست اندازی قرار دیا تھا، یہاں تک کہ اس وقت کی قومی اور صوبائی اسمبلیوں نے انہیں واپس لینے کی قرار دادیں منظور کیں مگر گذشتہ آمریت میں صدر ایوب نے اسے زور اقتدار سے نافذ کیا پھر جب نیا دور اور موجودہ عوامی حکومت قائم ہوئی تو نئے دستور میں انہیں تحفظ دینے پر قومی اسمبلی میں موجود علماء نے سخت احتجاج کیا اور اسکی غیر اسلامی حیثیت کو واضح کیا۔

الغرض چند حیا باختہ خواتین کے علاوہ ملک کے کسی طبقۂ فکر نے (بشمول مسلمانوں کی غیور خواتین کی اکثریت کے) اشاعت، اجراء اور نفاذ سے لیکر اب تک ایک لمحہ بھر ان قوانین پر اظہار پسندیدگی نہیں کیا ان قوانین کی چند اہم باتیں جنہیں موجودہ حقوق کمیشن مزید مؤثر بنانا چاہتا ہے یہ ہیں:

الف :۔ لڑکے کے لئے کم ازکم ۱۸ سال اور لڑکی کے لئے کم ازکم ۱۶ سال عمر نکاح کی تحدید جس میں موجودہ کمیشن نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے، جبکہ قرآن کریم نے ایسی کوئی تحدید نہیں مقرر کی بلکہ نابالغی کے نکاح اور طلاق کے بعد اسکی عدت کے احکام تک قرآن میں موجود ہیں خود حضورؐ کا حضرت عائشہ سے ۶ سال کی عمر میں عقد نکاح ہوا ایک صحابیہ ام سلمہؓ کے کم سن بچے کا نکاح اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی کمسن لڑکی سے کرایا۔ اور آج تک صحابہ کرامؓ تابعین فقہاء امت میں نابالغی کے نکاح کے جواز پر اختلاف نہیں پایا گیا نابالغی میں کئے گئے کسی نکاح کے مفاسد اور خرابیوں کا علاج خیار بلوغ کی صورت میں کیا گیا اور قاضی کو بلوغ کے بعد فسخ نکاح کا حق دیا گیا۔ مگر اس پر قدغن اس لئے نہ لگائی کہ بسا اوقات والدین اور اعزہ اولاد کے بلوغ کے فوراً بعد اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں۔ پھر جبکہ اخلاقی خرابیوں کا دور دورہ ہو، مخلوط معاشرہ ہو، ناتجربہ کاری اور معاشرہ کی خرابی کی وجہ سے اخلاقی خرابیوں کا طوفانی زمانہ یعنی عنفوان شباب ہو، سر پرستوں کے لئے بچوں کی عفت وعصمت کو محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا ہو بالخصوص موجودہ دور میں جبکہ یورپ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں کے جنسی جرائم اور اخلاقی خرابیوں کی شرح ۱۸ سال سے کم عمر والے لڑکے اور لڑکیوں میں سب سے زیادہ ہے۔

ب :۔ نکاح کی رجسٹریشن نہ کرانے کی صورت میں اسے قانوناً جائز نکاح ہی نہ سمجھنا اور اس پر سخت سزائیں تجویز کرنا جو سراسر قرآن وسنت کے منافی ہے اور جو فرضی اور جھوٹی رجسٹریوں کے ذریعہ غلط نکاحوں کا باعث بن سکتا ہے۔

ج :۔ نکاح کی طرح طلاق کی بھی رجسٹری۔

د :۔ عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق دینے کا حق۔

ھ :- مرد کا طلاق دیدینے کے باوجود کونسل کے فیصلہ تک اسے غیر مؤثر قرار دینا (اور اب رپورٹ نے اسے فیملی کورٹ کے فیصلہ تک غیر مؤثر ہونے کی سفارش کی ہے) قطعاً قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ اس بارہ میں کتاب و سنت اور امت کی اجماع ہے۔ کہ طلاق کے دو لفظ بول دینے ہی سے اس کے اثرات شروع ہوں گے، اس بارہ میں ہنسی مذاق پر مبنی کوئی جملہ بھی اسلام کی نظروں میں مؤثر سمجھا جائے گا۔ جدّھن جدٌ وھزلھنّ جدٌ۔ اسلام نے اس بارہ میں نہایت اعتدال اور طرفین کی خیر خواہی کا راستہ تجویز کیا۔ مگر یہ دفعات اور موجودہ رپورٹ مرد کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اندرون خانہ شرافت سے طلاق دیدینے کی بجائے عورت کو عدالت لے جائے، اور وجوہات طلاق کو نہایت مؤثر بنانے کے لئے طرح طرح کی مخش وجوہات اور الزامات تلاش کرے اور عورت سے گلو خلاصی کے لئے اسکی عفت و عصمت کو برسرِ عام عدالت میں داغدار بنائے اور جب عدالت ان وجوہات پر طلاق مؤثر قرار دیدے تو عورت بے چاری کو علیحدگی کے بعد باقاعدہ سرکاری اور عدالتی " تمغۂ طلاق " ملا ہو۔ اور اس " سندیافتہ مطلقہ " کو معاشرہ کا کوئی فرد قبول نہ کر سکے۔

و :- عدت کو تین حیض کی بجائے مؤثر ہونے کے بعد ۹۰ دن قرار دیدینا تمام فقہاء کے مسلک کے خلاف ہے اور فقہ اسلامی کے کسی ماخذ سے اسکی سند مہیا نہیں کی جا سکتی۔

ز :- تعدد ازدواج پر پابندی —— جو کتاب و سنت کے واضح احکام اور امت کے قطعی اجماع سے ثابت شدہ ایک اجازت کو روکنا ہے۔ جبکہ ظلم اور حق تلفی صرف تعدد ازدواج کی صورت میں نہیں، ایک زوجگی کی صورت میں بھی مظالم ہوتے ہیں، اسلام کہتا ہے کہ ازالۂ مفاسد کا یہ طریقہ تو نہیں کہ پھر سرے سے ایک نکاح پر بھی پابندی لگائی جائے بلکہ اسلام نے ظلم کی صورت میں تعدد اور یک زوجگی دونوں صورتوں میں عدالت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ نکاح سے مقصد پاک صاف اور اطمینان و مسرت سے بھرپور زندگی کا حصول ہے۔ اگر عدم توافق کی صورت میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو ملاپ اور توافق کے لئے وہ دسیوں دفعہ بھی جدائی اختیار کر سکتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ مرد حرام کاری اور زناکاری سے دور رہے اس کیلئے اسے خواہ کتنے نکاح کیوں نہ کرنے پڑیں اور آج کا یورپ جو ہم جنسی کو بھی قانونی شکل دے رہا ہے اور جس سے مرعوب ہو کر ہم تعدد ازدواج کو قانوناً جرم قرار دے رہے ہیں اسی یورپ کے ذمہ دار اداروں کی رپورٹ ہے کہ حرام بچوں کی پیدائش کی شرح اسلامی ممالک میں یورپ سے اسی وجہ سے بہت کم ہے کہ وہاں تعدد ازدواج پر پابندی نہیں ملاحظہ ہو۔ (اقوام متحدہ کا ڈیموگرافک سالنامہ ۱۹۵۹ء) اسلام کہتا ہے کہ چند زوجیت کے شرعی جواز

کو روک دینا بیسیوں ناجائز غیر قانونی چند زوجیت کا دروازہ کھول دینا ہے۔

ح :- یتیم پوتے کی وراثت کے بارہ میں اسلام کے ایک واضح اور قطعی مسلک کو مذکورہ عائلی کمیشن نے نہ صرف بدل دیا بلکہ اسے جاہلیت کی یادگار اور ظلم عظیم قرار دیا۔

ط :- یہی حال مہر، حضانت اور مطلقہ کی کفالت وغیرہ مسائل کا تھا جس میں مذکورہ کمیشن نے نہایت بے دردی سے دست اندازی کی۔

۲ — حقوقِ خواتین کمیشن نے رپورٹ کی دفعہ نمبر ۳۲ تک مذکورہ امور کو تحفظ دینے اور مؤثر بنانے کے بعد آگے کی دفعات میں دفعہ نمبر ۴۳ تک جو سفارشات پیش کی ہیں ان کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کمیشن کے نزدیک عورت جب بھی چاہے جس وقت چاہے شوہر کو طلاق دیدے مگر نہایت مجبوری کی وجہ سے بھی مرد کے طلاق دینے کے حق کو طرح طرح کی پابندیوں میں جکڑ دیا جائے۔ ملاحظہ ہو دفعہ نمبر ۴۰۔

۳ — ان پابندیوں کے ضمن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو عورت پانچ سال کے لئے ایک مرد کے نکاح میں رہے تو وہ شوہر کی طرف سے طلاق موثرہ (؟) ہو جانے کی صورت میں شوہر کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں ۱/۲ حصہ وصول کرنے کی مستحق ہو گی، ہم کمیشن کے چیئرمین صاحب سے نہایت ادب سے پوچھتے ہیں کہ اس سفارش کیلئے کوئی شرعی سند کتاب و سنت سے موجود ہے۔ قرآن تو کسی عورت کو مرد کے مرنے پر اسکی میراث میں حقدار ٹھہراتا ہے۔ مگر اسکی زندگی میں کسی کو بھی جائداد کا حقدار نہیں ٹھہراتا جبکہ طلاق بھی عدالت نے مؤثر قرار دے دی ہو اور معقول وجوہات تفریق دیکھ کر اسے مؤثر کیا گیا ہو۔ پھر مرد نے نکاح کر کے آخر کونسا معاشرتی جرم کیا ہے۔ جسکی سزا اسے عمر بھر دی جائے۔ اگر یہ نکاح جرم تھا تو طرفین اس کے ذمہ دار تھے، پھر کیا اسلام کے عدل و انصاف کے سارے تقاضے صرف عورتوں کیلئے ہیں اور مرد اس معاشرہ کا کوئی قابلِ رحم فرد ہی نہیں، یہ اندازِ فکر تو صرف ان قوموں کا ہو سکتا ہے جنہیں زن پرستی اور زن خوفیا کی بیماری نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ اسلام تو عدل و انصاف کی حدود میں ہر فریق کی رعایت رکھتا ہے۔

نکاح مرد اور عورت کی باہمی رضامندی کا ایک معاہدہ ہے نہ عورت اس طرح مرد کی غلام بن جاتی ہے نہ مرد عورت کا ایک ایسا ملازم جو اس ملازمت کی سزا سبکدوش ہو جانے کے باوجود بھی بھگتتا رہے۔ یہ معاہدہ فریقین کسی فیکٹری کی ملازمت تو نہیں کہ ختم ہو جانے کے باوجود بھی اجیر اور مستاجر لیبر ایکٹ اور سوشلسٹ نظریات پر مبنی دیگر قیود و حدود میں جکڑے رہیں۔ اسلام کی نظر میں تو نکاح ایک عبادت ہے، اس کا عائلی فلسفہ معاشی اور لادینی اقتصادی فلسفوں پر مبنی نہیں بلکہ نکاح باہمی الفت و محبت توالد و تناسل اولاد کی تربیت اور اللہ کی رضا کیلئے ایک خوشحال

اور مطمئن گھر بسانے کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ مقاصد طبائع کے عدم توافق کی وجہ سے حاصل نہیں ہو سکتے اور فریقین باہمی علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہیں تو مرد پورے اعزاز و اکرام اور انعام و احسان کے ساتھ عورت کو الگ کر دے آگے کیا ہوگا۔ اس کا معاملہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ فرمایا: وان یتفرقا یغن اللہ کلاً من سعتہ۔ اگر دونوں الگ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعتوں سے دونوں کو غنی کر دے گا۔

لیکن کمیشن کا جائداد وغیرہ کی پابندیوں کی شکل میں "تفریق" کے راستے مسدود کر دینے اور مرد کے حق طلاق کو اس طرح سلب کر لینے کی صورت میں یہی ہوگا کہ مرد یا تو ساری زندگی ناخوشگوار ازدواجی زندگی کا زہر پیتا رہے اس صورت میں عورت بھی پر سکون عائلی زندگی سے محروم رہے گی، اور نکاح کے سارے مقاصد ہی فوت ہو کر ساری گھریلو زندگی درہم برہم ہو جائے گی یا پھر مرد اس "جہنم" سے نجات پانے کے لئے یا تو خودکشی کرے، یا پھر غیر پسندیدہ بیوی سے چھٹکارا پانے کیلئے اس کی زندگی کسی طرح ختم کرنے کی تدابیر اختیار کرے اور حقوق نسواں کے نام پر سفارشات بالآخر "نسواں کشی" کا ذریعہ بن جائیں یا مرد گلو خلاصی کے لئے عدالتوں میں اور بھرے مجمعوں میں بیوی کو سر بازار رسوا کرتا پھرے۔

۴۔ آگے دفعہ ۴۳ میں بھی مرد کے "حق طلاق" کو پابند سلاسل بنانے کیلئے یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ:

"مرد طلاق کی صورت میں عدت کے زمانہ کے علاوہ بھی شادی شدہ زندگی کے ہر سال کے لئے ایک ماہ کے حساب سے شمار کی جانے والی مدت کے لئے اپنی سابقہ زوجہ کو نان و نفقہ ادا کرے گا۔ (دفعہ ۴۳)"

اس سے قبل عائلی کمیشن نے بھی مطلقہ کی اس طرح کفالت کی سفارش کی تھی مگر اسے "بلا کسی سبب معقول طلاق" سے مشروط کر دیا تھا۔ موجودہ کمیشن سے مزید سخاوت سے کام لیتے ہوئے طلاق کی ہر صورت میں خواہ اس کے وجوہات کتنے ہی معقول ہوں مرد پر ایک ایسا بار ڈال دیا جس کی تائید میں قرآن و سنت اور فقہاء کرام کے اقوال سے کوئی بھی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اور نہ کی جا سکتی ہے۔

اسلام نے مرد پر نان و نفقہ کا بوجھ صرف ایام عدت یا ایام حمل یا زمانہ رضاعت میں ڈالا ہے۔ اس کے علاوہ کسی صورت میں مطلقہ کی کفالت کی کوئی ذمہ داری اس پر نہیں، اگر یہ ذمہ داری مطلقہ عورت کی ہمدردی کے جذبہ سے ڈالی گئی ہے تو حکومت کو خود ایسی بیواؤں، یتیموں اور طلاق یافتہ عورتوں کا بوجھ اٹھانا چاہیئے۔ آخر حکومت کی بھی تو ایسے حالات میں کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ شوہر غریب کو مرتے دم تک "جرم نکاح" کی سزا دینا کہاں قرین عقل و انصاف ہے۔ آخر جب مرد کے شانہ بشانہ کام کرنے والی

ماؤں کے بچوں کے لئے سرکاری نرسیاں قائم ہوں گی تو ایسی ماؤں کے لئے بھی خیراتی نرسیاں قائم کی جاسکتی ہیں۔

۵ ـــ کمیشن کی رپورٹ کی ہر دفعہ سے ارکان کی یہ چھپی ہوئی خواہش ظاہر ہوسکتی ہے کہ وہ مرد کو طلاق دینے سے کسی نہ کسی طرح روکنا چاہتے ہیں۔ وہ فطری حق جو خدا نے مرد کو دیا تھا کہ: الذی بیدہ عقدۃ النکاح - اور یہ تقسیمِ حقوق و فرائض ان فطری اور خلقی صلاحیتوں پر مبنی تھا۔ جیسے خدا نے: بما فضّل اللہ بعضھم علی بعض - میں اشارہ فرمادیا تھا۔ لیکن دوسری طرف عورت کو جب چاہے ازالۂ نکاح کا یکطرفہ حق بلا کسی روک ٹوک کے حاصل رہے، یہ زہر کی گولی تب نگلی جاسکتی ہے کہ طلاق و نکاح کا چودہ سو سالہ سارا ذخیرۂ احکام و مسائل تلپٹ کردیا جائے، ایسا کرنا ناممکن ہے، اس لئے کمیشن کبھی تو اس مقصد کے لئے خلع کی آڑ لیتی ہے، کبھی مساوات کی، اور پھر تاویل در تاویل کی وجہ سے وہ افسوسناک اضطراب اور تضاد بیانی کا شکار ہوجاتی ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ کمیشن کے فاضل ارکان یا بیگماتِ فاضلات کو فقہِ اسلامی کی کوئی ابتدائی مترجم کتاب بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی

خلع کی حقیقت یہ ہے کہ زوجین کے باہمی مفاہمت کی صورت میں مہر یا کسی اور مالی عوض کے بدلہ میں خاوند خلع پر تیار ہوجائے۔ عدالت میں رجوع تب ضروری نہیں کہ مرد اور عورت کی باہمی مرضی سے ایسا ہوتا ہو۔ لیکن یہ حق کسی طرح بھی یکطرفہ طور پر صرف بیوی کو حاصل نہیں کہ خاوند کی عدم آمادگی کی صورت میں بھی خود کسی عوض کا اعلان کرکے نکاح پر خطِ تنسیخ کھینچ دے اور جہاں چاہے چلی جائے بلکہ اس صورت میں عدالت سے تنسیخِ نکاح کے لئے اسکی مراجعت ضروری ہے۔ عدالت کے فسخِ نکاح کے بعد یہ معاملہ بھی امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک مرد کی طرف سے طلاق سمجھا جائے گا۔ مگر کمیشن کی رائے میں ـــ "زوجہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ خلع کے ذریعہ انفساخِ ازدواج طلب کرنے کے لئے اپنا حق ثابت کرے۔ دفعہ ۳۳ ـــ اور ایسی کوئی وجہ نہیں کہ کسی مسلمان زوجہ کو یہ ثابت کرنے کے لئے کسی عدالت کے روبرو جانے کے لئے مجبور کیا جائے۔"

اسلام نے تو مرد کو بغیر رجوع عدالت طلاق کا حق دیا ہے۔ خلع اگر باہمی رضامندی سے ہو تو عدالت میں رجوع ضروری نہیں البتہ ایسی کوئی صورت نہیں کہ خاوند نہ بھی چاہے تو عورت از خود اس پر طلاق کی کنکریاں دے مارے اور اس کے لئے نہ قاضی کو کسی حوالے کی ضرورت ہو نہ عدالت کے کسی فیصلہ کی۔ خلع کا ایسا کوئی مفہوم نہ تو کتاب و سنّت سے مستنبط کیا جاسکتا ہے نہ فقہاء کے اقوال سے اور پھر ایسی یکطرفہ خودمختار علیحدگی بلا رجوع عدالت کا حق تو اس یورپ نے بھی غالباً عورتوں کو نہیں دیا جس کے اعصاب عورت کے

ہاتھوں ماؤف ہو چکے ہیں۔

مطلب برآری کے لئے رپورٹ میں خلع کی بحث میں دو چار حوالے بھی دیئے گئے جو یا تو صرف خلع کا شرعی حق ثابت کرتے ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں مثلاً میزان الکبریٰ للشعرانیؒ کی عبارت "کہ تمام ائمہ خلع کے حق میں متفق ہیں۔" ـــــ اب ان "ماہرین" اسلام سے کوئی پوچھے کہ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ خلع کا مفہوم عورت کی یکطرفہ گلو خلاصی ہے۔ آگے سورۃ بقرہ کی ایک آیت اور ایک حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جو خود اس رپورٹ کا منہ چڑا کر ثابت کرتا ہے کہ ازالۂ نکاح پر فریقین میں نزاع کی صورت میں خلع کے لئے فریق ثالث (جو عدالت وغیرہ ہو) کا ہونا لازمی ہے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ۔ (پس اگر تم کو (فریق ثالث عدالت قاضی وغیرہ کو) خطرہ ہو کہ میاں بیوی اللہ کے حدود قائم نہ رکھ سکیں گے)

یہی حال ثابت بن قیسؓ اور جمیلہؓ بنت عبد اللہ کے بارہ میں مشہور حدیث کا ہے کہ جمیلہ اپنا سارا جھگڑا دنیا کے سب سے بڑے قاضی۔ نبی کریمؐ۔ کے سامنے لے گئی۔ گھر بیٹھے اس نے نکاح کا جُوا اتار نہیں پھینکا۔ پھر حضورؐ نے اس کے شوہر ثابتؓ سے کہا کہ باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دیدو۔ اس حدیث سے معاملہ اور بھی واضح ہو گیا کہ عدالت بھی نکاح کا وہ گرہ جو خدا نے خاوند کو دیا ہے نہیں چھین سکتی بلکہ خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے گی، اگر اُس نے پھر انکار کیا اور وجوہات قوی ہوں تو پھر خود نکاح کو فسخ کر دے گی۔ پوری رپورٹ میں قرآن وسنّت اور فقہ کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے تو وہ بھی صرف اس دفعہ میں جس کی حقیقت آپ پر واضح ہو گئی۔

۹ ـــــ مرد اور عورت کے کلّی مساوات اور عورت کو تجارت، ملازمت، سیاست وغیرہ ہر شعبۂ زندگی میں مساوی حق دینے کا ایک طویل منصوبہ ہے، ملاحظہ ہو (دفعہ ۱۲ ص۸) تاہم سردست کمیشن نے دفعات ۹۳ تا ۹۵ میں عورتوں کو کارخانوں، صنعتی اداروں اور تجارتی تنظیموں میں جائز اور لازمی نمائندگی دینے کے متعلق تجاویز پیش کی ہیں۔ اور جب عورت شمع محفل بننے کی بجائے مرد کی طرح کارخانوں اور دفتروں کا ایک پرزہ بن جائے گی تو بچّوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے بارہ میں اسکی فطری ذمہ داریوں کو کون سنبھالے گا۔؟ اس کے لئے بھی کمیشن کے سامنے یورپ کی سرکاری پرورش گاہوں اور نرسریوں کا انتظام موجود ہے۔ اور دفعہ ۹۷ میں محنت کش ماؤں کے بچّوں کے لئے ایسے ہی انتظامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری طرف جب جوانی کے شدید جذبات کے دور میں ۱۶ برس سے قبل نکاح پر بھی پابندی ہو گی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اختلاط ہو جائے گا۔ جائز اور ناجائز آبادی بڑھ جانے کا اندیشہ ہو گا تو اس کا انتظام حسب ذیل دفعات میں کر دیا گیا کہ:

۷۔ دفعات ۸۹ تا ۹۲ کا تعلق اسقاطِ حمل سے ہے اور رپورٹ میں ہے کہ "ہمارے قانونی نظام میں اسقاطِ حمل جائز نہیں کمیٹی کے خیال میں عام احساس اسے قانونی طور پر جائز قرار دینے کا ہے۔ اس لئے کمیٹی کے خیال میں اسقاطِ حمل کی جرم کی وسعت کو کم کرنے کے لئے کافی وجوہ موجود ہیں۔ اس مقصد کے لئے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۱۲ میں ایسی ترمیم کی ضرورت ہے کہ عورت کسی بھی جسمانی یا ذہنی صحت کو درپیش خطرہ کی وجہ سے اسقاطِ حمل کر سکے اور یہ کہ : ۱۲۰ دن سے کم عمر کا جنین بھی بچہ تصور نہیں کیا جائے گا۔

—— رپورٹ میں ان احتیاطی تدابیر کا ذکر "شادی شدہ عورت" کے نام سے کیا گیا ہے مگر خود کمیشن بھی یہ جانتا ہو گا کہ ان انتظامات سے اصل فائدہ کونسے لوگ اٹھا سکیں گے۔ ان تدابیر اور انتظامات کو وسیع شکل دینے کے لئے دفعہ ۱۱۱ خاندانی منصوبہ بندی کے تحت حسب ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں :۔

الف :۔ دوا فروش قانوناً لازمی طور پر مانع حمل اشیاء رکھے گا۔ اور یہ امر لائسنس ملنے کے لئے لازمی شرط ہو گا۔

ب :۔ شفاخانوں اور ہسپتالوں میں موانع حمل کا وافر سٹاک موجود رہنا چاہیئے۔

ج :۔ خاندانی منصوبہ بندی کا مضمون ایم بی بی ایس کے نصاب میں بطور لازمی مضمون شامل کیا جانا چاہیئے۔ اسی ضمن میں یہ بھی ہے کہ :

۸ —— مردوں کی شادی کی کم از کم عمر ۱۸ سال سے بڑھا کر ۲۱ سال کر دینی چاہیئے۔ جس پر عائلی قوانین کے ضمن میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اگر مقصد آبادی کی شرح گھٹانا ہے تو ایسا کرنا اسلام کی نگاہ میں شرعاً اخلاقاً سیاسۃً ہر لحاظ سے مذموم اور ناجائز ہے۔

۹ —— عورت کو ہر شعبہ میں شریک کرنے کی خاطر کمیشن کی رائے ہے کہ "سیاسی زندگی میں اس کی شرکت کی رفتار تیز کر دی جائے۔ اور ہر سیاسی جماعت کے لئے لازمی ہو کہ وہ دس یا دس سے زائد امیدوار کھڑا کرے تو ان میں کم از کم ۱۰ فیصد خواتین ہونی چاہئیں۔ (دفعہ ۱۰۸ اور ۱۰۹)

یہ ایکٹ لاگو ہو جانے کے بعد ان جماعتوں کیلئے جو غلبۂ اسلام کا منشور لیکر اٹھتی ہیں یہ سوچنا ہو گا کہ وہ یا تو سرے سے سیاست اور انتخابات سے دستبردار ہو جائیں اور کسی گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے پر قناعت کر لیں یا پھر اُسے اسلام کے اس پورے نظامِ ستر و حجاب کو خیر باد کہنا ہو گا جسکی بقاء اور حفاظت ان کا اوّلین مقصد ہو گا۔

۱۰ —— معاملہ ان چند سفارشات پر ختم نہیں ہوتا، یہ تو ابتدا ہے اور کمیٹی کے سامنے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اور رپورٹ کے الفاظ ہیں : " ابھی دیگر موضوعات خصوصی طور پر معاشی اور معاشرتی میدان

میں خواتین کے حقوق اور حیثیت سے متعلق ہیں، غور وخوض مکمل کرنا باقی ہے۔ تحقیقات اور معلومات کا دائرہ بہت وسیع ہے تاکہ ان مسائل اور مشکلات کو دریافت کیا جائے جو خواتین کو قومی زندگی کے تمام میدان ہائے عمل میں زیادہ حصہ لینے میں مانع ہیں۔" (دفعہ ۱۲ – ۱۳)

اور جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو پھر عورت ملازمتوں میں فوج میں، پولیس میں حکومت کے تمام شعبوں میں میونسپل کمیٹی اور اسمبلیوں میں دفتروں اور کارخانوں میں، سڑکوں اور بازاروں میں، ٹریفک کنٹرول میں، سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں، سٹیج سے لیکر فٹ پاتھ تک پوری شان مساوات کے ساتھ مردوں کے کاندھے سے کاندھا ملاکر چلے گی اور جب چاہے گی شوہر کو پرانے جوتے کی طرح اتار پھینک سکے گی۔ بے حجابی کی کھلی چھٹی ہوگی۔ رقص وسرود سے اسے کوئی نہیں روک سکے گا کہ یہ تو آرٹ اور ثقافت کا لازمہ ہے۔

اسقاطِ حمل کی آزادی اور اس کے لئے سارے انتظامات کی فراوانی ہوگی۔ بچوّں کی نگہداشت اور تربیت کا بوجھ نرسریوں اور کفالت خانوں پر ڈال دیا جائے گا۔ تربیت کا انتظام ماں کی گود سے باہر آیاؤں اور نرسوں کے حوالے کر دیا جائے گا، اور تعلیم وتہذیب کا کالجوں اور ہوسٹلوں کے ذمہ، والدین بڑھاپے میں عمر رسیدہ لوگوں کے اداروں میں جا پڑیں گے۔ باہر مادیت کا دور دورہ ہوگا کبھی یورپ کا استحصالی سرمایہ دارانہ نظام دندناتا پھرے گا، اور کبھی روس اور چین کا لادینی اشتراکی فلسفۂ حیات کی حکمرانی ہوگی، دین اور اہل دین پہ پابندی ہوگی، وعظ وخطبہ، منبر ومحراب، مسجد ومدرسہ کو "قومیا" لیا جائے گا، اور شعائر اللہ کے احترامات اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سارے مظاہر سرکار کے زیرِ کنٹرول ہوں گے تو گویا اس دن اس ملک کا مقصدِ تخلیق حاصل ہو جائے گا، اور وہ تمام دینی تنظیمیں دینی جماعتیں دردمند مسلمان سوزِ ملت سے سرشار علماء جو ایسے اقدامات اور سفارشات پر بھی چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ گویا "لیلائے مقصود" سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ ولا فعل اللہ ذلک۔ (جاری ہے۔)

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
رمضان المبارک ۹۶ء